حزیرہ جلیل

از قلم حجاب فاطمہ

حزیرہ :کیا میں آپ سے امید رکھ سکتی ہوں کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو اس چار دیواری کے باہر نہیں جائے گی؟ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

صدیقی : تم مجھے اب خوفزدہ کر رہی ہو۔ بات کیا ہے آخر؟ صدیقی صاحب اپنے شفیق لہجے میں بولے۔ آواز میں پریشانی واضح تھی۔

حزیرہ : یہ میں ہی جانتی ہوں انکل کہ میں یہاں تک کیسے آئی ہوں۔ مجھے یہاں زندگی اور موت کے درمیان جھولتے دو لوگ لے آئے ہیں۔ میں بہت امید لیکر آئی ہوں آپکے پاس۔ مجھے امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔

صدیقی :بات کیا ہے بیٹا۔ آواز میں اضطراب بڑھ گیا تھا۔

حزیرہ :فبیحہ آپی کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔ آئی میں راحیل بھائی سے۔ ہمارے چچازاد بھائی۔ ہیں آپ۔ جانتے ہیں انہیں۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنی ماما کو گھر بھیجنا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے آپ لوگ آپی کا رشتہ لے آئے۔ بھیا اور ڈیڈی کو یہ پروپوزل پسند آیا تو آپ کو مثبت جواب دے دیا۔ اسلیئے جب چچی جان رشتہ لیکر آئیں تو ڈیڈی نے منع کردیا۔ وہ آپ لوگوں کو زبان دے چکے تھے۔ ہم اس بات سے لاعلم تھے۔ جس دن چچی جان آئی تھیں ہمیں بھی تبھی پتا چلا۔ ڈیڈی اور بھیا نے کسی کو بغیر بتائے کسی سے بنا پوچھے ہاں کردی تھی۔ وہ کچھ لمحوں کے لئے رکی۔

ڈیڈی اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ میں یا آپی ان سے بات نہیں کرسکتے۔ آپی باامر مجبوری اس رشتے کو نبھانے کیلیئے تیار تو ہوگئیں ہیں مگر خوش نہیں ہیں وہ۔ وہ اپنے ,راحیل بھائی کے اور مصدق بھائی کے ساتھ ناانصافی کررہی ہیں۔ راحیل بھائی نے کل اپنی جان لینے کی کوشش کی ہے۔ وہ آپی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

وہ تینوں ہی کبھی خوش نہیں رہ سکیں گے۔ وہ گال پر لڑھکتے آنسو رگڑتے ہوئے بولی۔

مجھے نہیں پتا میں یہاں کیوں آئی ہوں؟ یا یہ سب آپکو کیوں بتارہی ہوں۔ شاید اس امید پر کہ آپ میری بات سمجھیں گے۔ میری مدد کریں گے۔ حزیرہ نظریں جھکائے بول رہی تھی۔

وہ دونوں اسپتال میں ہیں۔ ایک دل کے ہاتھوں مجبور ہے تو دوسرا زبان کے ہاتھوں۔ آپ انکی یہ مشکل حل کردیں۔ اس۔ اس رشتے سے انکار کردیں پلیز۔ وہ ملتجی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

کافی دیر تک کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی۔ حزیرہ کا دل ہول رہا تھا۔ ہمت کر کے اس نے بات کرتو لی تھی مگر نتیجہ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ وہ آخری کوشش کرنا چاہتی تھی ان دو انسانوں کے لئے جس میں اسکی جان تھی۔ وہ ان دونوں کو پل پل مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ سو دل نے جو کہا وہ کر ڈالا۔ اب بس جواب کا انتظار تھا۔ جو کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ کچھ بھی۔

صدیقی :اگر میں انکار نہ کروں تو؟ گہری خاموشی کے بعد جواب آیا تو اسکا رنگ زرد پڑ گیا۔ اسے امید تھی کہ انکل اسکی مدد ضرور کریں گے۔ بچپن سے لیکر آج تک وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح ہی ٹریٹ کرتے آئے تھے۔ کبھی انہوں نے امبر آپی اور اس میں فرق نہیں کیا تھا۔ وہ تو اکثر ڈیڈی کو بھی اسکی وجہ سے ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ اسی لئے چچی جان نے اسے ان سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ مگر ان دونوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے تھے۔

حزیرہ :آپکی مرضی۔ آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

صدیقی :تو ٹھیک ہے اپنے راحیل بھائی سے کہو شادی کی تیاریاں کریں۔ تمہارے ڈیڈی سے میں خود بات کرلوں گا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

حزیرہ :سچ؟ اسے حیرت ہوئی تھی۔

صدیقی :بالکل سچ۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ میری بیٹی کچھ کہے اور میں نہ مانوں؟ وہ پھر سے مسکرا دیئے۔

حزیرہ :تھینک یو سو مچ انکل۔ فرط جذبات سے اسکے آنسو میں تیزی آگئی۔

آپ نے میری بہت بڑی مدد کی ہے۔ میں اس قابل تو نہیں ہوں مگر کبھی میں آپ کے کام آسکی تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ وہ جانے کیلئے اٹھی۔

صدیقی :کہاں جارہی ہو؟ چائے تو پی کرجاو۔ مہمان نوازی تو انکی گھٹی میں تھی۔ پھر سامنے چاہے کوئی دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تو حزیرہ تھی۔ انکے سب سے اچھے دوست کی سب سے پیاری بیٹی۔ اسکے ساتھ انکا جزباتی لگاو تھا۔ اسکا نام انکی مرحوم بیٹی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتے تھے کہ اگر انکا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ اسے اپنی بیٹی بنا لیتے۔ مگر قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔

مصدق انکا اکلوتا بھانجا تھا۔ وہ دو سال کا تھا جب ادریس صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے۔ باپ کے مرنے کے دو ماہ بعد اس نے ماں کو بھی کھوہ دیا۔ تب سے اسکی پرورش کا ذمہ انہوں نے لے لیا۔ وہ فبیحہ کا ہم عمر تھا۔ اسلیئے انہوں نے اسکا رشتہ مانگا تھا۔ ایک کسک تھی انکے دل میں کہ حزیرہ انکے گھر آئے۔ مگر وہ اس سے تین سال چھوٹی تھی اور ابھی پڑھ رہی تھی۔ فبیحہ کی شادی سے پہلے حزیرہ کی شادی کسی صورت نہیں ہوسکتی تھی مگر اب انہیں لگا شاید انکی دلی مراد پوری ہوسکتی ہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے اسکی بات مان لی۔

حزیرہ :تھینک یو انکل۔ مجھے واپس اسپتال جانا ہے میں پہلے ہی لیٹ ہوچکی ہوں۔ پھر کبھی پیوں گی۔ وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔

شام کو انہوں نے مصدق سے بات کی۔ وہ جس کے دل میں فبیحہ کے لئے جذبات پیدا ہونے لگے تھے خاموشی سے ماموں کی بات سنتا رہا۔ صدیقی صاحب نے اسے اپنی خواہش کے متعلق بھی بتایا۔ وہ کچھ سوچنے کا وقت لیکر وہاں سے چلا گیا۔

صبح آفس میں حزیرہ کو انکل کے آفس سے نکلتے دیکھا تھا اس نے۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ مگر آج کچھ الگ تھا۔ اسکی آنکھیں متورم تھیں۔ ایسا لگتا تھا وہ رات بھر

روتی رہی ہے۔ تب وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ مگر اب خلاصہ ہوگیا تھا۔ ممانی جان تب اسکے ساتھ ہی کھڑی تھیں۔ انہوں نے بھی یہ بات نوٹ کی تھی۔ اسکا دماغ گھوم رہا تھا۔ سب اسکی سمجھ سے باہر تھا۔ ایک بہن اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ دوسری جو رشتہ ختم کرنے کی بات کرنے آئی ہے اس سے ہی رشتہ جوڑنا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

مسز صدیقی :پھر کیا سوچا تم نے۔ ناشتے کی ٹیبل پر ممانی نے اسے گھیر لیا تھا۔

مصدق :کس بارے میں؟ وہ سچ میں نہیں سمجھ سکا تھا۔

مسز صدیقی :حزیرہ کے اور کس کے؟ وہ چڑ گئیں۔

مصدق :ابھی تو کچھ نہیں سوچا۔

مسز صدیقی :لو مجھے لگا تم فورا مان جاو گے۔

مصدق :کیوں لگا ایسا۔ وہ چونکا تھا۔

مسز صدیقی :ارے بھئی تمہاری تزلیل کرکے گئی ہے وہ۔ تمہارا رشتہ تڑوا کر تمہاری انا کو ٹھیس پہنچائی ہے اس نے۔ نہ جانے کیا اول فول بک کرگئی ہے تمہارے بارے میں۔ کہہ

کرگئی ہے تم اسکی بہن کو خوش نہیں رکھ سکتے ہو۔ تم تو اسکے قابل ہی نہیں ہو۔ اتنی بکواس کر کے گئی ہے کہ کیا بتاوں۔ مجھے لگا بدلہ تو لو گے ہی تم۔

مصدق کا رنگ سرخ پڑ گیا۔ اس نے اس کا رشتہ تڑوایا تھا وہ اس بات پر خاموش رہا تھا مگر اپنی انسلٹ پر وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

مصدق :ماموں نے یہ سب مجھے کیوں نہیں بتایا۔ وہ دھاڑا تھا۔

مسزصدیقی :تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے وہ۔

مصدق :تو پھر انہوں نے مجھے اس سے شادی کرنے کا کیوں کہا؟

مسز صدیقی :تم تو جانتے ہو امبر سے زیادہ اسے پیار کرتے ہیں۔ کتنی دفعہ تو مجھے ہی کہہ چکے ہیں کہ اگر ہمارا بیٹا ہوتا تو اسکو بیٹی بنا لیتے۔ تمہارے لئے اسکا رشتہ اس لئے نہیں لیا کہ وہ تم سے چھوٹی ہے۔ اب جب بڑی کا نہیں ہوسکتا تو اس کا رشتہ مانگنے کی بات کررہے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے تمہیں بھی اسی لئے نہیں بتایا کہ کہیں تم اس رشتے سے انکار ہی نہ کردو۔

مصدق :میں اس سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔

مسز صدیقی :تو کیا خاموشی سے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو گے؟

مصدق :تو کیا ساری عمر کے لئے اسے اپنے اوپر مسلط کرلوں؟

مسز صدیقی :ساری عمر کا کس نے کہا ہے؟ اپنے ماموں سے جاکر کہو کہ تم انکی خوشی کے لئے تیار ہو۔ شادی کے بعد اسے بتاو کہ تم کس قابل ہو۔ اسے اسکی حیثیت بتاو۔ اسے اتنی اذیت دو جتنی اس نے تمہیں دی ہے۔ پھر جب بدلہ پورا ہوجائے تو چھوڑ دینا۔

تین دن کی برین واشنگ کے بعد اس نے رشتے کے لئے ہاں کردی۔

صدیقی صاحب حزیرہ کے گھر آئے تھے۔

صدیقی :کیسے ہیں جلیل صاحب؟

جلیل :ٹھیک ہوں صدیقی۔ خدا کا شکر کے۔

صدیقی : بھئی آج ہم تیمارداری کے لئے نہیں بلکہ بہت ضروری کام سے آئے ہیں تمہارے پاس۔ صدیقی صاحب نے حزیرہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

جلیل : حکم کیجئے جناب کیا خدمت کرسکتا ہوں میں۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

صدیقی :اپنی امانت کا مطالبہ کرنے آئے ہیں ہم۔ وہ حزیرہ کی طرف دیکھ کر بولے۔ اسے لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔

جلیل :میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میری بیٹی آپکی ہے۔ جب چاہیں لے جائیں۔ ڈیڈی کے الفاظ بجلی کی طرح اس پر گرے تھے۔

مسز صدیقی : بھئ ہمارا بس چلے تو آج ہی لے جائیں۔ مگر آج تو ہم رسم کریں گے۔ ہاں اگلے ماہ اپنی امانت لینے دھوم دھام سے آئیں گے۔ مسز صدیقی مسکرا کر بولیں۔

جلیل :جیسے آپکی مرضی یہ کل بھی آپکی تھی اور آج بھی آپ ہی کی ہے۔ جب چاہیں لے جائیں۔

اس نے ڈائننگ روم کے دروازے کے پیچھے سے ڈیڈی کی آنکھوں کو نم ہوتے دیکھا تھا۔

جلیل :مصطفٰی بیٹا جاو بچیوں کو لے آو۔ وہ فورا وہاں سے ہٹ گئی۔

مصطفٰی :جی پاپا۔ سعادت مندی سے جواب دیا گیا تھا۔

دس منٹ بعد وہ دونوں بھابھی کی رہنمائی میں داخل ہوئیں۔ مسز مبین صدیقی ان دونوں سے بہت محبت سے ملیں۔ حزیرہ کو خطرے کی گھنٹی بجتی ہوئی تب سنائی دی جب مسز مبین نے اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے انگوٹھی پہنائی۔

مسز صدیقی : جلیل بھائی آج سے آپکی بیٹی ہماری ہوئی۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔ یہ کیسے؟ ڈیڈی ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ اے میرے خدا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اسے لگا وہ چکرا کر گر جائے گی۔

انکے جانے کے بعد ڈیڈی نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ میں چاہتا تھا کہ تم دونوں کی خوشیاں اپنی زندگی میں ہی دیکھ لوں۔ دیکھو اللہ نے میری سن لی۔ وہ خوشی سے آبدیدہ ہوگئے مگر وہ تو کچھ بول ہی نہ سکی۔

بھابھی :بہت لکی ہو تم۔ مصدق کی خواہش ہے کہ وہ تم سے شادی کرے۔ کل ہی انکل کا فون آیا تھا بتا رہے تھے کہ یہ انکی اور مصدق دونوں کی خواہش ہے۔ خواہمخواہ ڈیڈی نے پھپھو کو انکار کردیا۔ خیر اب وہ پھپھو کے گھر جارہے ہیں فبیحہ کے رشتے کے لئے۔

وہ جانتی تھی کہ انکل نے ان سب سے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن وہ اسکا رشتہ کیوں مانگ رہے تھے؟ آپی کے رشتے سے انکار کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا تھا۔ پھر اسے کیوں بلی کا بکرا بنایا گیا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر تھک گئی تھی۔ جواب پھر بھی نہیں ملا تھا۔

ماما کا خواب۔ اسکا کیا؟ یہ بات اسے کھائے جارہی تھی۔ وہ بت بنی دو گھنٹوں سے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ اندر کمرے میں اسکا سیل فون نہ جانے کب سے بج رہا تھا۔ اسے تو کسی چیز کا بھی ہوش نہیں تھا۔

پھپھو۔ پھپھو۔ آپکا فون۔ ننھے ابراہیم نے اسکا ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا تو اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔ فون ابھی بھی بج رہا تھا۔ سکرین پر نمبر لکھا ہوا آرہا تھا۔ اس نے گلا صاف کرتے ہوئے کال اٹینڈ کرلی۔

!حزیرہ:السلام علیکم

مصدق :اتنی دیر سے کال کررہا ہوں اور تم اب اٹھا رہی ہو؟ جواب بے زاری سے اور سخت لہجے میں دیا گیا تھا۔

حزیرہ :سوری میں نے پہچانا نہیں۔ آپ کون؟ وہ لہجے کی سختی سے الجھ گئی تھی۔

مصدق :جان پہچان کی فی الحال ضرورت بھی نہیں ہے۔ بس اتنا جان لو کہ مصدق بات کررہا ہوں۔ آج ماموں ممانی تمہارے گھر آئے تھے رسم کرنے کیلئے۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا تھا۔

اس رشتے سے تم انکار نہیں کرسکتیں۔ نہ ہی کسی رسم میں کوئی بکھیڑا کھڑا کروگی جیسا پہلے کرچکی ہو۔ جو کچھ کہا جائیگا تم خاموشی سے اس پر عمل کروگی۔ اپنی زبان پر اگر انکار لانے کی کوشش کی یا کوئی بھی ایسی حرکت کی جو مجھے ناگوار گزری تو میں تمہارے ڈیڈی کو تمہارے اور ماموں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق بتائے بغیر نہیں رہ پاوں گا۔ آئی ہوپ تمہیں میری بات سمجھ آگئی ہوگی۔ کال ڈسکنیکٹ کردی گئی تھی۔

انکل نے اسے سب بتا دیا۔ کیوں کیا انہوں نے ایسا؟ اب وہ کیا چاہتا ہے؟ مجھے راحیل بھائی سے بات کرنی چاہیئے۔ وہ میری مدد ضرور کریں گے۔ ڈیڈی کو اگر یہ سب پتا چلا تو۔ انہیں ہرگز نہیں پتا چلنا چاہیے۔ یا خدا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

راحیل پندرہ دن کے لئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ وہ انہیں فون کرتی رہی مگر دو بار رابطہ ہوا اس میں بھی وہ تھوڑی دیر سے زیادہ بات ہی نہیں کرسکے۔ اسکی پریشانی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ آپی تو اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ انکی خوشی دیکھ کر وہ کچھ بول ہی نہیں پاتی تھی۔ بھیا اور ڈیڈی کو بتانا ناممکن تھا۔ اب جو کچھ ہونا تھا اسے خود ہی برداشت کرنا تھا۔ کیا کرے گا وہ زیادہ سے زیادہ مار تو نہیں دے گا نا۔ ہر بار اسکی سوچ اسی بات پر آکر رکتی تھی۔ مگر اسکے لہجے کی سختی اسے ڈراتی رہی۔

ممانی نے ہی مصدق کو اسے کال کرنے کا کہا تھا۔ اپنی طرف سے وہ تابوت میں آخری کیل ٹھوک رہی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں حزیرہ رشتے سے انکار ہی نہ کر دے۔ وہ ہر صورت میں یہ شادی کروانا چاہتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ یہ رشتہ ختم ہو اور امبر کے بارے میں سوچا جائے۔ وہ تو اپنی بیٹی کے لئے راستہ صاف کرنا چاہتی تھیں۔ اسی لئے تو مصدق کو حزیرہ سے شادی کے لئے ہاں کروائی تھی۔ گھی سیدھی انگلی سے نکلنا مشکل تھا تو انہوں نے انگلی ٹیڑھی کرلی تھی۔ کچھ عورتیں اپنی بیٹیوں کو بچانے کے لئے کسی اور کی بیٹی کو قربان کردینے کے بعد بھی اپنے آپ کو ماں ہی سمجھتی ہیں اور اپنے فعل کو ممتا کا لبادہ اوڑھا کر حلال سمجھ لیتی ہیں۔ کاش کہ وہ اپنا مقام سمجھ سکیں۔

آخر کار شادی کا دن آگیا۔ وہ دونوں دلہنیں بنی اسٹیج پر بیٹھی تھیں۔ فبیحہ نے لائٹ پنک اور اس نے لائٹ گرے اور فیروزی کلر کا لہنگا پہن رکھا تھا۔ جج کرنا مشکل تھا کہ کون زیادہ خوبصورت ہے۔ ڈیڈی کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ رخصتی کے وقت انہوں نے انہیں ڈھیروں دعاوں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

امبر صدیقی اسکے ساتھ کمرے میں ہی تھی جب وہ اندر داخل ہوا۔ وہ دونوں ہم عمر نہیں تھیں مگر اچھی دوستیں تھیں۔ فبیحہ آپی کم گو اور ریزرو رہنے والی تھیں جبکہ ان دونوں کی نیچر ,ایک جیسی تھی۔ بہت بولنا بلکہ بہت ہی زیادہ بولنا ,شاپنگ ,گروسری ,پکنک ,لانگ ڈرائیو دوستوں کے ساتھ پارٹی ,آوٹنگ ہلاگلا کرنا دونوں کو ہی پسند تھا۔ اسی لئے وہ اچھی دوستیں بن گئی تھیں۔ ایج ڈیفرینس تو کبھی درمیان میں آیا ہی نہیں۔ وہ اتنا ساتھ پھرتی تھیں کہ لوگ انہیں بہنیں سمجھتے تھے۔

امبر :ماننا پڑے گا ہو بہت لکی تم جو تمہیں اتنی پیاری دولہن ملی ہے۔ امبر نے اسے چھیڑا۔

مصدق :یعنی کہ یہ ان لکی ہیں جو انکو میں ملا ہوں؟ لہجے میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ حزیرہ جو ہزاروں خدشات دل میں لئے بیٹھی تھی اسکی بات پر حیران رہ گئی۔ کیسا انسان ہے یہ؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

امبر :بکو مت۔ میں نے ایسا کب کہا؟ وہ چڑ گئی۔

اسکی تو مذاق کرنے کی عادت ہے۔ تم برا مت ماننا۔ میں چلتی ہوں۔ گڈ نائٹ۔

مصدق :گڈ نائٹ۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

روم لاکڈ کر کے وہ مڑا تو وہ بستر سے اتر چکی تھی۔

مصدق :کیا ہوا سویٹ ہارٹ اٹھ کیوں گئیں؟ وہ طنز کر رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں کیا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

حزیرہ :کیوں کر رہے ہیں یہ سب؟ کیا بگاڑا ہے میں نے آپکا؟ وہ جو اپنے آپ کو دن رات سمجھاتی رہی تھی روہانسی ہوگئی۔ کتنے دنوں سے وہ پل صراط پر چل رہی تھی۔ اسکے ہر میسج میں کی گئی تزلیل کو برداشت کرتی رہی تھی۔ کالز وہ جان بوجھ کر اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ جب میسج میں وہ اسے اتنا کچھ سنا دیتا ہے تو کال پر کیا کرے گا۔ اسی ڈر سے وہ فون آف کر دیا کرتی تھی۔ اس نے کبھی اسکا ریپلائے نہیں کیا تھا۔ کہتی بھی تو کیا۔ بابا کی صحت بگڑتی جارہی تھی۔ ایسے میں وہ کسی کو کیا بتاتی کہ وہ کس عذاب سے گزر رہی ہے۔ راحیل بھائی اور آپی کو تو اپنے سامنے کچھ نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ وہ تو مانو خودغرض ہو گئے تھے۔ اتنے دنوں سے جو غبار جمع تھا وہ اب آنسوؤں کی صورت میں باہر آرہا تھا

مصدق :کم ان یار آج سہاگ رات ہے ہماری۔ ابھی سے رو رہی ہو تو آگے وقت کیسے گزار پائیں گے اکٹھے؟ وہ اسکے قریب آگیا۔

حزیرہ :میرا قصور کیا ہے؟ وہ دو قدم پیچھے ہوگئی۔

مصدق :میرا قصور کیا تھا؟ وہ پوری طاقت سے چلایا تھا۔ وہ سہم گئی۔

کتنا خوش تھا میں۔ پہلی دفعہ کوئی لڑکی پسند آئی تھی مجھے۔ رشتے کی بات بھی ہوگئی تھی۔ مگر تم نے سب کچھ برباد کر دیا۔ اس نے دیوار پر مکا مارا۔

تمہیں کیسے بخش دیتا میں۔ تم نے مجھے چوٹ پہنچائی ہے۔ ہرٹ کیا ہے مجھے۔ تو اب کچھ خمیازہ تو تمہیں بھی بھگتنا پڑے گا نا۔ وہ اسکی کلائیوں کو مضبوطی سے پکڑے کہہ رہا تھا۔ حزیرہ کو لگا اس کی کلائیاں ٹوٹ جائیں گی۔ درد کی شدت سے آنسوؤں کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔

جانتی ہو میں اپنے دشمنوں کو اپنے بہت قریب رکھتا ہوں تاکہ انہیں تکلیف دے سکوں۔ انکی تکلیف پر جی بھر کر لطف اندوز ہو سکوں۔ تم بھی تو انہی میں سے ہو۔ تمہیں اپنے قریب رکھنے کا اس سے اچھا طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔ اب وہ اسکے قریب ہوکر سرگوشی کررہا تھا۔

تم سے شادی کرنا بہت تکلیف دہ عمل تھا میرے لئے۔ مگر کیا کرتا تم نے میری خوشی چھینی تھی۔ اب میں تمہاری خوشیاں چھین لوں گا۔ تب کہیں جاکر ہمارا حساب برابر ہوگا۔ اسکا ہاتھ مروڑے وہ اسکے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ درد سے کراہ رہی تھی۔

ویلے تب تک تمہیں ایلے ہی میرے پاس رہنا پڑے گا۔ ہاں یہ مت سمجھنا کہ تم میری بیوی ہو۔ یا میں تمہارے حقوق و فرائض پر اپنا ٹائم اور پیسہ ویسٹ کروں گا۔ تم یہاں جب تک ہو جب تک ہمارا حساب بے باک نہیں ہو جاتا۔ اسکے بعد تم اپنے راستے اور میں

اپنے۔ وہ اسکے مزید قریب ہوگیا۔ وہ اسے پیچھے ہٹانا چاہتی تھی مگر اس کے آگے اسکی ایک نہ چل سکی۔

مصدق :گڈ مارننگ سویٹی۔ وہ صوفے پر گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھی تھی جب اس نے سرگوشی کی۔ وہ ڈر گئی۔ وہ کب اٹھا اسے پتا ہی نہیں چلا۔ وہ تو اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ اسکی باتیں اس کی سماعت سے بار بار ٹکراتی رہیں۔ رات بھر وہ بے چینی کے عالم میں روتی رہی۔

تم تو ایک ہی رات میں ڈر گئیں۔ میں تو بہت بہادر سمجھتا تھا تمہیں۔ وہ اسکے ساتھ بیٹھ گیا۔

کیا ہوا؟ وہ اسکا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

ویلے بہت مشکل ہوتا ہے نا جس سے آپ محبت کریں اسکو کسی اور کے ساتھ دیکھنا۔ کسی کے اتنا قریب دیکھنا۔ یہ سوچ کر ہی کچھ ہونے لگتا ہے۔ اذیت ہوتی ہے۔ پھر چاہے وہ کسی "تمہاری بہن ہی کیوں نہ ہو۔ تم نے بھی تو میرے ساتھ رات۔۔۔ اگر اس نے گزار" لی تو کیا ہوا؟ وہ بھی تمہاری بہن کے اتنا ہی قریب ہوگا نا جتنا رات میں تمہارے تھا۔ کیسے برداشت کر رہی ہو تم؟ ماننا پڑے گا بہادر تو ہو تم۔ وہ اسکے الفاظ پر گنگ رہ گئی۔

کس چیز کا زیادہ دکھ ہے تمہیں اسکی بے وفائی کا جس کی محبت میں تم ماموں کے پاس اسکی زندگی کی بھیک مانگنے چلی آئیں یا پھر اپنی بہن کی بے مروتی کا جس نے نا صرف تم سے اسے چھینا بلکہ تمہارے اس جہنم میں ہونے کی وجہ بھی بنی۔ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

حزیرہ :آپ میرے کردار پر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔ اس نے اپنے آپ کو کہتے سنا۔

مصدق :برا لگا۔ سچ ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے۔ لیکن خیر یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ اپنا حلیہ درست کرو ہمیں نیچے جانا ہے۔ اپنے عاشق کا سوگ بعد میں مناتی رہنا۔ وہ کہتا ہوا واش روم میں چلا گیا۔ حزیرہ کو لگا کسی نے اسکے جسم سے اسکی روح کو کھینچ لیا ہے۔

شادی سے ایک ہفتہ پہلے مصدق کو کسی نے کال کی تھی۔ اور اسے بتایا تھا کہ حزیرہ اپنے کزن کو پسند کرتی ہے۔ اس سے بےپناہ محبت کرتی ہے۔ کزن تو اسکا صرف ایک ہی تھا۔ اسکا مطلب وہ راحیل سے۔ اگر ایسا تھا تو اس نے اسکی شادی کیوں تڑوائی۔ بات ہضم کرنے والی نہیں تھی۔ مگر شک کا بیج بو دیا گیا تھا۔

ولیمہ شام کا تھا۔ اس نے حزیرہ کو گھر والوں کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ اپنے زیورات اتار رہی تھی جب وہ کمرے میں آیا۔

مصدق :ارے یہ کیا کررہی ہو؟ مانا کسی اور کا خیال دل میں لئے تیار ہوئی تھیں مگر حق تو میرا ہے نا۔ ویلے تمہارا دل نہیں دکھا کہ جس کے لئے تم اتنی تیار ہوئیں وہ آیا ہی نہیں۔ کیا پتا وہ تمہاری بہن کے ساتھ اتنا خوش ہو کہ تمہیں بھول ہی گیا ہو۔ اس نے جھمکا ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

حزیرہ :میں کسی اور کا سوچ کر تیار ہوتی ہوں۔ کسی کی محبت میں ,میں نے آپکی اور اپنی بہن کے رشتے کی بات ہی ختم کرادی۔ کسی کے نہ آنے پر برا فیل کررہی ہوں۔ اتنی برائیوں کے باوجود آپ کو مجھ پر غصہ کیوں نہیں آتا۔ کیوں میرے اتنا قریب آتے ہیں۔ بیوی تو میں ہوں نہیں آپکی پھر کیا سوچ کر میرے اتنے قریب کھڑے ہیں۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں چلائی۔

مصدق :بیوی تو تم ہو نہیں پھر خود ہی سمجھ جاو کہ کیا ہو جو میں تمہارے اتنے قریب آتا ہوں۔ وہ اسکے گال تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

ڈیڈی نے چوتھے روز اسے کال کی تھی کہ وہ اور حزیرہ رات کا کھانا ان کے ساتھ کھائیں۔ اس نے سہولت سے انکار کردیا تھا۔ یہ پہلی اور آخری بار نہیں ہوا تھا ایسا چلتا رہا۔ اسکا دل کرتا تو ویک اینڈ پر اسے ڈیڈی کے پاس چھوڑ جاتا اور واپسی پر خود ہی لینے جاتا۔ ضد میں آتا

تو ڈیڈی یا بھیا کے کہنے پر بھی نہ لے جاتا۔ ماموں ممانی امبر امریکہ چلے گئے تھے۔ ممانی کے بھائی کی طبیعت بہت خراب تھی۔ حزیرہ اب مکمل طور پر اسکے رحم و کرم پر تھی۔ کبھی وہ اسے بالکل نظرانداز کر دیتا تو کبھی اسکے آگے پیچھے پھرتے اس پر طنز کے تیر چلاتا۔ اس نے حزیرہ کی پڑھائی بھی چھڑادی تھی۔ ہر الزام پر وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی رہی۔ سب باتیں وہ برداشت کرتی رہی ,اسکی حرکتوں کو اگنور کرتی رہی۔ وہ بس کام کے وقت اسے بلایا کرتی تھی۔ جب بات پڑھائی چھڑانے کی آئی تو وہ بالکل خاموش ہوگئی۔ اندر کہیں الفاظ سے جو توڑ پھوڑ ہوتی تھی وہ جاری تھی مگر اس نے نہ کبھی الفاظ سے اسکا اظہار کیا نہ کسی فعل سے۔ اسکی خاموشی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔ پہلے وہ اسکی زہر آلود باتوں کے جواب میں بے بسی سے اسے دیکھ کررہ جاتی تھی۔ اب اس نے اسے دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس بات کو خود مصدق نے بھی محسوس کیا تھا۔

اس سب کے باوجود وہ اسکا ہر کام کیا کرتی تھی۔ وہ صبح اٹھتا تو ہر چیز میز پر ہوتی۔ کپڑے تولیہ سب کچھ اپنی جگہ پر ہوتے۔ تیار ہوکر آتا تو ناشتہ تیار ہوتا۔ لنچ باکس ٹیبل پر ہوتا۔ وہ اسکے بیٹھتے ہی چائے کا کپ رکھ کر غائب ہوجاتی۔ آفس سے واپسی پر بھی یہی سب ہوتا۔ رات کو اکثر وہ صوفے پر ہی سوجایا کرتی تھی۔ اسکی آنکھوں کے گرد حلقے اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ راتوں کو جاگتی ہے۔ سوجی ہوئی آنکھیں اس بات کی عکاسی کرتی تھیں کہ وہ رات

بھر روتی ہے۔ اسکا ہنستا مسکراتا چہرا ماند پڑگیا تھا۔ اسکی آنکھوں کی چمک کہیں غائب ہوگئی تھی۔ وہ خود سے ہی بے نیاز ہوکر رہ گئی تھی۔

وہ اسے شام کی چائے دینے لان میں آئی تھی۔ وہ پہلے سے بہت ویک لگ رہی تھی۔ اکثر جو کام زہر نہیں کرتا وہ باتیں کردیتی ہیں۔ اسکے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی جارہی تھی۔ مصدق کو اس پر ترس آیا تھا۔

مصدق :بیٹھ جاو۔ ایک ہاتھ سے ٹرے پکڑتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے حزیرہ کا ہاتھ پکڑ کر سامنے چیئر پا بٹھا دیا۔

طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟ اسکی ہتھیلیاں گرم ہورہی تھیں۔ اس نے ماتھا چیک کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو وہ پیچھے ہوگئی۔

تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے چلو ڈاکٹر کو چیک کروالیتے ہیں۔ وہ اسکا ہاتھ تھامے کھڑا ہوگیا۔

حزیرہ :ٹھیک ہوں میں۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

مصدق :اگر ڈاکٹر کے پاس چلی جاوگی تو کیا قیامت آجائے گی۔ اس نے اسکا بازو پکڑلیا۔

حزیرہ : مجھ جیسیوں کو گھر میں بند کر کے رکھا جاتا ہے باہر لے کر نہیں جایا جاتا۔ اگر کوئی نیا عاشق بنالیا تو کیا کرلو گے۔ وہ اپنے بازو پر اسکے ہاتھ دیکھ کر بڑبڑائی۔

مصدق کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ وہ بازو چھڑا کر اندر چلی گئی۔ ساری رات وہ بخار میں جلتی رہی۔ صبح وہ تیار ہوکر آیا تو وہ میز پر ناشتہ لگا رہی تھی۔

مصدق :جب طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے واقعی غصہ آیا تھا۔

حزیرہ :انکل کی کال آئی تھی۔ وہ بات کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔ جواب سپاٹ لہجے میں دیا گیا تھا۔ وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

شام کو واپسی پر وہ فارماسسٹ کے پاس آیا تھا۔ اسکی کیفیت بتا کر اس نے دوائی اپنے ایک جاننے والے ڈاکٹر سے لکھوائی تھی۔ وہی لینے وہاں گیا تھا۔

فارماسسٹ :یہ تو نیند کی دوا ہے۔ یہ کیوں لکھی ہے؟

مصدق :اسے نیند نہیں آتی ہے۔ کئی دنوں سے ٹھیک سے سوئی نہیں ہے۔

بزرگ :اسے کہو نماز پڑھا کرے۔ فارمیسی پر کھڑے بزرگ نے کہا جو شاید انکی باتیں سن رہے تھے۔

مصدق :پڑھتی ہے۔

بزرگ :تو کہو پابندی سے پڑھے۔

مصدق :پابندی سے ہی پڑھتی ہے۔

بزرگ :تو اسے کہو قرآن پڑھے۔

مصدق :وہ بھی پڑھتی ہے۔

بزرگ :تہجد۔

مصدق :وہ بھی پڑھتی ہے۔ بلاناغہ پڑھتی ہے۔

بزرگ :کب سے ہے یہ حالت۔

مصدق :پچھلے کچھ دنوں سے۔

بزرگ :پھر کچھ ایسا ہے جس نے اس کی روح کو بے چین کررکھا ہے۔ خدا کی یاد سے دل کو سکون ملتا ہے۔ اگر وہ یہ سب کررہی ہے اور سکون پھر بھی نہیں مل رہا تو پوچھو اس سے کہ ایسا کیا ہے جو اسکی روح کو مضطرب کررہا ہے۔

مصدق :آپ ہی بتا دیجئے کہ کیا ہے؟ وہ تمسخرانہ لہجے میں بولا۔

بزرگ :یقین۔ خدا پر یقین۔ یہی تو کمزور پڑ رہا ہے اسکا۔ آزمائش ہے یہ اسکی۔ اسے کہو کمزور نہ پڑے۔ ہر زوال کو عروج حاصل ہے۔ اسکے غم بھی غلط ہوں گے پر کچھ وقت لگے گا۔ تب تک فانی چیزوں کے پیچھے خود کو رسوا نہ ہونے دے۔ یہ دنیا تو سراب ہے۔ بزرگ حمد پڑھتے ہوئے فارمیسی سے نکل گئے۔

رات کھانے کے بعد اس نے زبردستی اسے میڈیسن دی تھی۔ وہ میڈیسن لینے کے بعد بھی گھر کے کاموں میں لگی رہی۔ مصدق اسکا ہاتھ پکڑ کر روم میں لے آیا۔

مصدق :آج یہیں سوگی تم۔ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے اس نے تنبیہ کی اور لائٹس آف کردیں۔ وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی۔ مصدق اسکے برابر میں نیم دراز بیٹھا تھا۔

حزیرہ۔ کافی دیر بعد اس نے اسے پکارا۔

کیا کوئی ایسی بات ہے جو تمہیں پریشان کررہی ہے؟

اس نے جواب نہیں دیا۔

آج مجھے ایک بزرگ ملے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ ہے جو تمہیں بے چین کررہا ہے۔ اس نے حزیرہ کے بال سہلاتے ہوئے بزرگ سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتایا۔ وہ خاموش لیٹی رہی۔

سو گئیں کیا؟ جواب نہ ملنے پر وہ خاموشی سے لیٹ کر اسے دیکھتا رہا جو پیٹھ کئے اسکے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔

اسے یاد تھا جب بچپن میں وہ انکل کے ساتھ انکے گھر گیا تھا۔ انکل نے ماموں کی گود میں اسے ڈالتے ہوئے کہا تھا اللہ نے ہم سے ایک حزیرہ لی تو دوسری دے دی۔ ماموں کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں انہوں نے اسے سینے سے لگالیا۔ بچپن سے لیکر شادی سے پہلے تک وہ دونوں کئی مرتبہ ملے تھے۔ کبھی ماموں کے گھر تو کبھی انکل کے۔ مصدق نے ہمیشہ اسے مسکراتے ہوئے ہی دیکھا تھا۔ وہ تو تکلیف میں بھی مسکرایا کرتی تھی۔ بولتی تو وہ اتنا تھی کہ خدا کی پناہ۔ امبر اور ماموں کے ساتھ تو خاص طور پر۔ مگر شادی کے بعد مصدق نے نہ تو اسے بولتے دیکھا اور نہ ہی مسکراتے۔ وہ صرف اپنے ڈیڈی کے سامنے مسکرایا کرتی تھی۔ مگر وہ مسکراہٹ تو فیک ہوتی تھی جو وہ انکی خوشی کے لئے چہرے پر سجاتی تھی۔ ایسی کئی باتیں سوچتا سوچتا وہ سوگیا۔

مصدق لاونج میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا جب بیل بجی تھی۔ باہر بھیا تھے۔

مصدق :السلام علیکم !کیسے ہیں بھیا؟ اس نے مصافحہ کیا۔ بھیا نے اسے گلے لگالیا۔ وہ انہیں اندر لے آیا۔

مصطفٰی :حزیرہ کہاں ہے؟

مصدق :وہ سو رہی ہے۔ اسکی طبیعت خراب ہے۔

مصطفٰی :کیا ہوا ہے اسے؟

مصدق :بخار ہے۔

مصطفٰی :دیکھ سکتا ہوں اسے؟

مصدق :جی میں اٹھا دیتا ہوں اسے۔

مصطفٰی :سونے دو میں بس دیکھنا چاہتا ہوں اسے۔

حزیرہ۔ میری جان۔ بھیا نے روتے ہوئے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نہ ہمیشہ کی طرح انکے گلے لگی نہ ہی کچھ بولی۔

مصطفٰی :مصدق نے بتایا بخار ہے تمہیں۔ انہوں نے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ سمٹ گئی۔

حزیرہ :ٹھیک ہوں اب۔ اسکا رویہ بہت سرد تھا۔ بھیا اسکی طرف افسردگی سے دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر اسکے پاس بیٹھ کر چلے گئے۔ مصدق دروازے میں کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔

یہ سب کیا تھا؟ تم کیوں نہیں ملیں ان سے۔ مصدق اس سے پوچھنا چاہتا تھا مگر اسکی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ کچھ کہہ سکے۔ اسکو اس رویے کی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

وہ آفس سے واپس آیا تھا۔ اپنے کمرے سے نکلا ہی تھا کہ اس نے حزیرہ کو چکرا کر گرتے دیکھا۔ اسکے ہاتھ میں سیل فون تھا۔ اسے نے فون کان پر لگا لیا۔ بھابھی اسے ڈیڈی کی ڈیتھ کی اطلاع دے رہی تھیں۔

اس نے حزیرہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ وہ ہوش میں آگئی تھی مگر خاموش تھی۔ وہ کیسے خاموش رہ سکتی ہے۔ بول کیوں نہیں رہی وہ۔ رو کیوں نہیں رہی وہ۔ مصدق سوچ کر رہ گیا۔

حزیرہ۔ اسنے اسے ہلایا۔ وہ بت بنی بیٹھی رہی۔

اس نے حزیرہ کو ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ منہ دھلا کر

اس نے خود ہی اپنے اور اسکے کچھ کپڑے بیگ میں ڈالے اور اسے لیکر گھر پہنچا۔

فبیحہ :حزیرہ تم کیوں نہیں آئیں۔ بہت دیر کردی تم نے آنے میں۔ دیکھو ڈیڈی تمہیں یاد کرتے کرتے چلے گئے۔ آپی اس سے گلے لگ کر رو رہی تھیں۔ وہ بت بنی سنتی رہی۔

وہ رو نہیں رہی تھی۔ خاموشی سے ڈیڈی کو دیکھتی رہی۔ نہ کسی سے کچھ بولی نہ کسی سے ملی۔ وہ ہوش میں ہی نہیں تھی۔

جنازہ چلا گیا تھا۔ کسی نے اسے اٹھا کر جانے سے پہلے ڈیڈی کو دکھایا تھا۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے انہیں دیکھتی رہی۔

دو دنوں سے وہ اسی گھر میں پھرتی رہی۔ ہر اس جگہ پر گھنٹوں بیٹھی رہتی جہاں ڈیڈی کے ساتھ وہ بیٹھا کرتی تھی۔ ان سے باتیں کیا کرتی تھی۔ سب اسکے لئے پریشان تھے۔ وہ کسی سے بات ہی نہیں کر رہی تھی۔ مصدق اسے کھانا کھانے کا کہتا تو خاموشی سے دو چار الٹے سیدھے لقمے لے لیتی۔ ورنہ یونہی بھوکی پھرتی رہتی۔

راحیل :کب تک ایسے رہو گی؟ کچھ تو بولو۔ وہ اسکے لئے کتنا فکر مند تھا یہ اسکے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

حزیرہ :دور رہا کریں مجھ سے۔ وہ جھڑک کر چلی گئی۔

راحیل اور بھیا آفس سے ساتھ واپس آئے تھے۔ بھابھی دروازے پر ہی انہیں ملی تھیں۔

بھابھی :حزیرہ کو اسپتال لیکر جانا پڑے گا۔ وہ ہوش میں نہیں آرہی ہے۔ انہوں نے دھماکا کیا تھا۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے اندر آئے تھے۔

راحیل :آپ یہیں رکئے بھیا مہمانوں کے پاس۔ میں اور ممی لیکر جاتے ہیں۔ راحیل نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

مصدق انہیں دروازے پر ہی ملا تھا۔ وہ بھی ساتھ چل دیا۔

ڈاکٹر نے کہا کسی گہرے صدمے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ انہوں نے اسکے کچھ ٹیسٹ بھی کئے تھے۔ فی الحال وہ دوائیوں کے زیراثر سو رہی تھی۔ بھیا اسے دیکھنے آئے تھے۔ راحیل نے ممی کو انکے ساتھ ہی گھر بھیج دیا تھا۔

مصدق نے حزیرہ کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا جب راحیل اسکے سامنے آکھڑا ہوا۔

راحیل :یہ ہم دو گھروں کے دل کی دھڑکن تھی۔ سب سے چھوٹی۔ سب سے چہیتی۔ ممی کی بیٹی تھی جو اللہ نے بڑی امی کو دے دی تھی۔ میرے اور بھیا کے لئے تو یہ ہماری گڑیا تھی۔ ہماری تو صبح اس سے شروع ہوتی تھی اور رات اسی پر ختم ہوتی تھی۔ اس نے ہمیں کبھی بھی تکلیف نہیں دی۔ کبھی کوئی ضد بھی نہیں کی۔ بس ایک پڑھائی ایسا معاملہ تھا جہاں یہ ہم سب کو زچ کردیتی تھی۔ بڑی امی کی خواہش تھی کہ یہ انجینئر بنے۔ سو اس نے اپنے سر پر انجینئر بننے کا بھوت سوار کرلیا۔ دن رات ایک کردیئے۔ اسے عشق تھا پڑھائی سے۔ اوپر سے بڑی امی سے وعدہ بھی کیا تھا کہ انہیں گولڈ میڈل لے کردکھائے گی۔ انکی وفات کے بعد یہ خواہش مزید شدت اختیار کرگئی۔

پھر تمہارا رشتہ آیا فبیحہ کے لئے۔ بڑے ابو نے ہاں کردی۔ صرف یہی جانتی تھی کہ میں اور فبیحہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اسے کھونے کے ڈر سے میں نے اپنی کلائی کاٹ لی۔ بڑے ابو سے یہ بات کر نہیں سکتی تھی۔ ہم دونوں کی خوشی کیلئے یہ تمہارے ماموں کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے الٹا اسی کا رشتہ مانگ لیا۔ سب خوش تھے اس رشتے سے مگر وہ نہیں تھی۔ میں نے بارہا اسکی وجہ پوچھی مگر اس نے بات ٹال دی۔ ہمیں لگا کہ وہ پڑھائی مکمل نہ ہونے کی وجہ سے دکھی ہے۔ تمہارے ماموں نے یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ

شادی کے بعد تعلیم جاری رکھ سکے گی۔ اسلئے سب اسے تسلی دیتے رہے کہ وہ بلاوجہ خدشات پال رہی ہے۔

تمہارے ولیمے والے دن صبح اس نے فون کیا تھا مجھے۔ صرف اتنا کہا کہ ہم تم لوگوں کے ولیمے میں نہ آئیں۔ مجھے لگا کہ وہ مذاق کر رہی ہے مگر میں غلط تھا۔ اس نے دو ٹوک انداز میں ہمیں آنے سے منع کردیا۔ میرا کراچی کئی بار آنا ہوا۔ تم دونوں سے ملنے آنا چاہتا تھا۔ وہ ہر بار روک دیتی تھی۔ لاسٹ ٹائم میں نے اسے بہت برا بھلا کہا۔ اتنا ڈانٹا کہ آج تک شرمندہ ہوں۔ اس سے ہماری محبتوں کا حساب مانگا اس نے فقط یہ کہہ کر فون بند کردیا کہ مجھ سے محبتوں کا حساب وہ لوگ مانگ رہے ہیں جن کی محبتوں کو پامال ہونے سے بچاتے بچاتے میں نے اپنی روح تک مجروح کروالی۔

اس دن کے بعد اس نے ہم سے رابطہ ہی ختم کرلیا۔ بھیا سے بھی بات وہ سلام دعا کی حد تک کرتی رہی۔ وہ اپنے آپ کو کس چیز کی سزا دے رہی تھی یہ ہم سمجھ ہی نہیں پائے۔ ممی اور بڑے ابو کے پوچھنے پر وہ کہتی رہی کہ تم اسکا خیال رکھتے ہو اس سے محبت کرتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ ایسی کیوں ہو گئی ہے؟ وہ واقعی خوش ہے نا تمہارے ساتھ؟ تم دونوں خوش ہو اس رشتے سے؟

مجھے غلط مت سمجھنا۔ وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔ اتنی خاموش۔ اتنی اداس۔ پہلے وہ مجھ سے اور فبیحہ سے اپنی ہر بات شیئر کرتی تھی۔ اب تو بات بھی نہیں کرتی ہم سے۔ مجھے دیکھ کر تو راستہ ہی بدل لیتی ہے۔ ہمیں اس کا یہ رویہ سمجھ نہیں آرہا۔ وہ کیوں تکلیف دے رہی ہے ہم سب کو خاص کر خود کو۔ راحیل کے لہجے سے پتا چل رہا تھا کہ وہ اسکے لئے کتنا پریشان ہے۔

اس سے پہلے کی مصدق کچھ بولتا ڈاکٹر داخل ہوئے۔

آیئے ڈاکٹر صاحب۔ راحیل اور مصدق کھڑے ہوگئے۔

ڈاکٹر :دیکھیئے یہ شدید ڈپریشن کا شکار ہیں۔ انکے فادر کی ڈیتھ کے علاوہ بھی کوئی ٹینشن ہے انہیں۔ آپ پلیز وہ سورٹ آوٹ کریں۔ انکو یہاں مت رکھئے گا۔ انکا ماحول تبدیل کرائیں ورنہ یہ ماں اور بچے دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

راحیل :بچے کیلئے؟ مصدق کو بھی حیرت ہوئی تھی۔

ڈاکٹر :آپ لوگوں کو نہیں پتا؟ یہ ماں بننے والی ہیں۔ ڈاکٹر حیران ہوئی تھی۔

یہ پہلا بے بی ہے آپکا؟ ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

مصدق :جی۔ اس نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر :اسی لئے۔ انہیں بہت زیادہ کیئر کی ضرورت ہے۔ یہ بہت ویک ہیں۔ میں ڈائٹ پلان بنا دوں گی آپ انکو وہ فالو کروائیں۔ یہ کچھ میڈیسنز منگوا لیں پلیز۔

راحیل :جی میں ابھی لے آتا ہوں۔ تم رکو اس کے پاس میں لے آوں گا۔ راحیل اسے حزیرہ کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

بھیا نے راحیل کو واپس بلوا لیا تھا اسلئے وہ چلا گیا۔ اسے صبح ہوش آیا تھا۔ مصدق اسکا ہاتھ تھامے اسی کے تکیے پر سر ٹکائے سٹول پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسکے گھنے سیاہ بالوں کو دیکھتی رہی۔ عجیب انسان ہے یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی خود تکلیف دیتا ہے اور کبھی اتنا ہمدرد بن جاتا ہے کہ اس سے زیادہ مخلص کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

آٹھ بجے کے قریب بھیا اور بھابھی آئے تھے۔ وہ ابھی تک ایسے ہی سو رہا تھا۔ بھیا نے آگے بڑھ کر اسکا ماتھا چوما اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسکی طبیعت پوچھی۔

حزیرہ :ٹھیک ہوں میں۔ جواب رکھائی سے دیا گیا تھا۔

بھابھی :یہ جناب ابھی تک سو رہے ہیں؟ طنزیہ لہجے میں کہا گیا۔

حزیرہ :تھوڑی دیر پہلے آنکھ لگی ہے۔ رات بھر جاگتے رہے ہیں۔ تھی تو وہ بیوی نا جو ہر کسی کے سامنے شوہر کا بھرم رکھتی ہے چاہے وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ نہیں مانتا تو کیا دنیا کیلئے تو وہ میاں بیوی ہی تھے۔ سو وہ بھی اپنے نامنہاد شوہر کا بھرم رکھ رہی تھی۔

بھابھی :لگ تو نہیں رہا۔ دیکھو تو کتنے بے خبر سو رہے ہیں۔ بھابھی کونسا ماننے والوں میں سے تھیں۔ لہذا اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

مصطفیٰ :ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔ تم ناشتہ کروا دو اسے۔ بھیا ٹیبل پر ناشتہ رکھ کر لوٹ گئے۔

حزیرہ :مجھے بھوک نہیں ہے۔ واپس لے جائیں یہ سب۔ بھابھی ناشتہ نکالنے ہی لگی تھیں۔ اس نے منع کردیا۔

بھابھی :پاگل ہوگئی ہو کیا۔ یہیں رہنے کا ارادہ ہے۔ کھاو گی نہیں تو ٹھیک کیسے ہوگی۔ سب تمہاری وجہ سے پریشان ہیں۔ ہماری پریشانیاں کم نہیں کرسکتیں تو بڑھاو تو نہ۔ بھابھی نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

حزیرہ :آپ کی پریشانیاں مزید نہیں بڑھاوں گی مں۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

بھابھی :کھانا کھالو بیٹا۔ کچھ کھاو گی نہیں تو میڈیسن کیسے لو گی۔ مصدق کو اٹھتا دیکھ کر انہوں نے اپنی ٹون ہی بدل لی۔

مصدق :آئی ایم سوری میری آنکھ لگ گئی تھی۔ مجھے پتا نہیں چلا آپ کب آئیں۔ وہ شرمندہ ہوا تھا۔

بھابھی :ہاں سو جو اتنے بے خبر رہے تھے۔ کیسے پتا چلتا کہ کوئی آیا ہے۔ بھابھی نے اسکی شرمندگی کو مزید بڑھا دیا۔

ویلے برخودار یہ کیا بھاگ جاتی جو اسکا ہاتھ پکڑے ہی سو گئے تھے۔ بھابھی نے اسکے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا جس کی گرفت میں ابھی بھی حزیرہ کا ہاتھ تھا۔

مصدق :نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے جلدی سے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔

بھیا ڈاکٹر کے ساتھ ہی اندر آئے تھے۔ اسکا معائنہ کرنے کے بعد وہ بھیا اور مصدق باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر :دیکھیں آپکے کہنے پر میں انہیں ڈسچارج تو کررہا ہوں مگر آپکو جلد ہی انکا ماحول بدلنا ہوگا۔ یہ جتنا ٹینشن فری ہوں گی اتنا ہی انکے اور انکے بچے کیلئے اچھا ہے۔ آپ فارمیلٹیز پوری کرلیں میں کچھ میڈیسنز اور پریکوشنز لکھ دیتی ہوں۔

تم ڈاکٹر کے ساتھ جاو میں فارمیلٹیز پوری کر کے آتا ہوں۔ بھیا مصدق کو کہہ کر چلے گئے۔

بھابھی :تم خوش ہو اپنے گھر میں؟ بھابھی نے انکے جانے کے بعد اس سے پوچھا تھا۔

وہ کیا ہے نا بہت اداس لگ رہی ہو۔ چہرہ بھی مرجھایا ہوا ہے۔ رنگ دیکھو پیلا پڑگیا ہے۔ حلقے بھی پڑ گئے ہیں۔

مصدق تمہیں خوش تو رکھتا ہے نا؟ بھابھی کو خدشہ تھا کہ کہیں وہ انکے گلے نہ پڑ جائے۔ بھیا نے رات ہی ان سے کہا تھا کہ اگر وہ اس کے ساتھ خوش نہیں ہے تو وہ اسے مصدق کے ساتھ جانے نہیں دیں گے۔

حزیرہ :وہ مجھے خوش رکھے یا نہ رکھے۔ اپنے ساتھ رکھے یا نہ رکھے۔ آپکو اس سے کیا غرض؟ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

بھابھی :بھابھی ہوں تمہاری دشمن تھوڑی نہ ہوں۔ بس آجکل پریشانیوں کی وجہ سے اپ سیٹ تھی تو تم پر بھڑک گئی۔ میں تو بس تمہاری خوشی چاہتی ہوں اور تم ہو کہ۔ وہ خفا ہوتے ہوئے بولیں

حزیرہ :میری زندگی میں جتنی بھی بے سکونی ہو آپ کا سکون برباد کرنے آپکے گھر نہیں آوں گی۔ ساری زندگی آپکی چھاتی پر مونگ دلنے نہیں آوں گی۔ آپکو آپکا گھر ,آپ کا شوہر اور آپکی خوشیاں مبارک ہوں۔ اسکے الفاظ سے بھابھی سمجھ گئی تھیں کہ اس نے انکی اپنی ماں سے کی جانے والی باتیں سن لی ہیں۔

وہ گھر تو آگئی تھی مگر شام کو ہی مصدق نے اسے واپس جانے کا کہہ دیا تھا۔ اسکی طبیعت دن میں کئی مرتبہ بگڑ چکی تھی۔ بھیا نے ہی اسے کچھ کرنے کو کہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ جانا نہیں چاہے گی مگر انکار بھی نہیں کرے گی۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے سامان پیک کرلیا تھا۔ صبح دس بجے وہ وہاں سے نکل گئے تھے۔

وہ گھر نہیں گئے تھے۔ وہ اسلام آباد میں تھے۔ راستے بھر ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ وہاں کیوں آئے تھے۔ گاڑی ایک ریسٹ ہاوس کے قریب رکی تھی۔

مصدق :آجاو۔ وہ اسکی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

مجھے آفس کی طرف سے یہاں آنا تھا کچھ دنوں کیلئے۔ اس حالت میں تمہیں نہ تو اکیلے گھر چھوڑ سکتا تھا نہ ہی بھیا کے گھر۔ اسلئے یہاں لے آیا۔

فریش ہو جاو میں کھانا لینے جارہا ہوں۔ کمرے میں سامان رکھ کر وہ باہر نکل گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آیا تھا۔ کسی سے فون پر باتیں کرتے ہوئے وہ کھانا سرو کر رہا تھا۔ اس نے خود ہی اسکی پلیٹ میں کھانا ڈالا تھا۔ سالن بہت زیادہ تھا۔ حزیرہ نے کم کرنا چاہا تو اس نے روک دیا۔

بمشکل اس نے آدھی روٹی کھائی تھی۔ وہ فون سنتا ہوا اس کے بچے ہوئے سالن کو کھا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئی۔

رات وہ اسکے ساتھ بیڈ پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی پرانا اخبار پڑھ رہی تھی۔

مصدق تم سے بات کرنی تھی۔ پہلی بار اس نے تمہید باندھی تھی۔

تم سن رہی ہو؟ اس نے اخبار اسکے ہاتھ سے لے لیا۔

اسکا چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ حواس باختہ لگ رہی تھی۔

کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟

حزیرہ :ہوں۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

مصدق :کیا ہوا ہے؟

حزیرہ :کچھ نہیں۔ وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

مصدق نے پورا اخبار چھان لیا مگر سمجھ نہیں آیا کہ کس خبر نے اسے اتنا پریشان کیا تھا۔

صبح وہ اٹھی تو وہ واش روم میں تھا۔ اس نے اسکے کپڑے اور چیزیں نکال کر ایک ساتھ رکھ دیں۔

مصدق :طبیعت کیسی ہے اب؟

حزیرہ :مجھے کسی کے گھر جانا ہے۔ جا سکتی ہوں؟ ہمیشہ کی طرح اس سے اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا اسے۔ کافی عرصے بعد اس نے کہیں جانے کا کہا تھا۔

مصدق :کس کے گھر؟ وہ حیران تھا کہ وہاں اسکا کوئی جانے والا نہیں رہتا پھر وہ کس سے ملنا چاہتی ہے۔

حزیرہ :ایک دوست کے۔

مصدق :دوست؟ کمال ہے اسے اپنی دوست یاد تھی۔ شادی کے بعد سے نہ تو وہ کسی دوست سے ملی تھی نہ ہی ان سے کسی طرح کے رابطے میں تھی۔ پھر یہ اچانک کون سی دوست آگئی۔

حزیرہ : سحر نام ہے۔ لڑکی ہے۔ اسے اتنی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وہ وضاحت دے رہی تھی۔

مصدق :کب جانا ہے؟ وہ اسکا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جانے کا ارادہ ہی ترک کر دیتی اس نے مزید کچھ پوچھنا حماقت سمجھی تھی۔

حزیرہ :آج۔

مصدق :آج جانا ضروری ہے؟ وہ اسکے ہاتھ تھام کر بولا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے چاہتا تھا کہ وہ ایک دو دن بعد چلی جائے۔

حزیرہ :لیٹ ہو رہے ہیں۔ تیاری کریں اپنی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس سے اتنا ہی کہا۔

مصدق :ناشتہ کر کے میڈیسن لے لو پھر تیار ہوجاو میں آفس جاتے ہوئے ڈراپ کردوں گا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں باہر نکلے تھے۔ تیاری کے نام پر اس نے منہ دھو کر کپڑے اور شوز چینج کئے تھے۔ اسکا چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ وہ پریشان تھی اسلئے سارے راستے انگلیاں چٹخاتی رہی۔

مصدق :تم کل رات سے بہت پریشان ہو۔ وجہ جان سکتا ہوں؟

میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کس چیز کی پریشانی ہے تمہیں۔

حزیرہ :میری پریشانیاں صرف میری ہیں انکو آپ تک یا آپکے گھر والوں تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔ آپ نے ہی کہا تھا۔

مصدق :واپس کب لینے آوں؟ اسکی متعلقہ جگہ پر اسے ڈراپ کرنے سے پہلے اس نے پوچھا۔

حزیرہ :میں خود آجاوں گی۔

رات نو بجے وہ واپس آیا تو وہ کھانا کھا رہی تھی۔ وہ اسکے پاس آکر بیٹھ گیا۔

مصدق :کب آئیں واپس؟

حزیرہ :یک بجے۔

مصدق :اکیلی؟ وہ جانتا تھا کہ وہ وہاں کے راستوں سے ناآشنا ہے اسلئے پوچھ رہا تھا۔

حزیرہ :نہیں۔

مصدق :پھر؟ وہ اسکی پلیٹ میں ہی کھانا کھانے لگا تھا۔

حزیرہ :آنٹی کے ساتھ۔

مصدق :دوپہر کو کھانا کھایا تھا؟

حزیرہ :جی۔

مصدق :ور میڈیسن؟

حزیرہ :جی۔

مصدق :چلو چلیں۔ اسکا ہاتھ پکڑ کر وہ باہر لے آیا۔

وہ شاپنگ کررہا تھا۔ اپنے لئے اسے کچھ چیزیں لینی تھیں۔ وہ لینے کے بعد وہ اسکا ہاتھ تھامے ایک بوتیک میں گھس گیا۔

مصدق :اپنی پسند سے لو گی یا میری؟ چلو آج میری پسند سے ہی لے لو۔ وہ خود سوال کر کے اسکا جواب دینے لگا۔

حزیرہ :مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔

مصدق :مگر مجھے تو چاہیئے تمہارے لئے۔

حزیرہ : مجھ جیسیوں پر خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ اپنی بیوی کیلیئے اپنے پیسے بچا کر رکھیں۔ وہ باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی اسکا سامنا عبداللہ سے ہوا تھا۔

عبداللہ :ہیلو حزیرہ کیسی ہو؟ وہ اسکے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

حزیرہ :ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ وہ اپنے چہرے کے تاثرات درست کرتے ہوئے بولی

عبداللہ :اب تو بالکل ٹھیک ہوگیا ہوں۔ اسکی آواز میں ایک کھنک تھی جو اس نے محسوس کی تھی۔

ہیلو۔ مصدق کو دیکھ کر اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

مصدق :ہائے۔ حزیرہ کو دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ ملالیا۔

عبداللہ :تعرف نہیں کراو گی؟ وہ حیرت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

حزیرہ :یہ میرے فیلو ہیں عبداللہ۔ مطلب تھے۔ ہم یونیورسٹی میں کلاس فیلوز تھے۔ یہ وہی جانتی تھی کہ وہ وہاں کیسے کھڑی تھی۔ اپنی پڑھائی اسکو چھوٹنے کا غم ماما کا خواب پورا نی ہونے کا غم سب اسکی آنکھوں میں پھرنے لگے تھے۔

مصدق :آپ سے ملکر بہت خوشی ہوئی۔ میرا تعرف تو کروانا بھول گیئں تم۔ اس نے حزیرہ کی طرف خفگی سے دیکھا۔

یہ میری وائف ہیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وائف؟ اسی لئے تم نے پڑھائی چھوڑ دی۔ وہ حیران ہوا تھا۔

عبداللہ :ویلے آپ کی وجہ سے سب سے زیادہ فائدہ مجھے ہوا ہے۔ اسکے لہجے میں خوشی تھی شاید۔ حزیرہ کو ایسا لگا تھا۔

مصدق :کیا مطلب؟ وہ سچ میں مطلب نہیں سمجھ سکا۔

عبداللہ :یہ ہمارے بیچ کی ٹوپر تھیں۔ ہر سمسٹر میں فرسٹ پوزیشن انہی کی ہوتی تھی۔ مجھے تو فرسٹ پوزیشن بس خوابوں میں ہی نظر آتی تھی۔ پھر گولڈ میڈل کا تو میں خوابوں میں بھی سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ انکے جانے کے بعد اب وہ میرا ہوگا۔ بہت دعائیں مانگی تھی میں نے کہ کوئی معجزہ ہو جائے اور تم چلی جاو۔

حزیرہ :آئی ایم سوری بٹ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔ ہمیں اب چلنا چاہیئے۔ وہ وہاں سے غائب ہوجانا چاہتی تھی۔ یونیورسٹی اور اس سے ریلیٹڈ ہر چیز کے بارے میں سوچ کر ہی اسکے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔ وہ کم از کم وہاں رونا نہیں چاہتی تھی۔

عبداللہ :حزیرہ۔ اس نے پیچھے سے اسے آواز دی تھی۔ وہ مڑی تو اس نے کہا تھینک یو۔ اور سوری بھی۔

تم نے مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی لوٹا دی ہے۔ اسکے لئے تھینکس۔ اور میں نے جانے انجانے میں تم سے تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین لی۔ مجھے وہ دعائیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ آئی ایم سوری۔ وہ واقعی شرمندہ تھا۔

حزیرہ :وہ سب ہونا تھا سو ہوگیا۔ آپ دعا کرتے یا نہ کرتے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ میری قسمت تھی۔ لیکن جو آپکو ملا وہ آپکی قسمت بھی ہے اور ذمے داری بھی۔ مجھے امید ہے آپ اسے مایوس نہیں کریں گے۔

عبداللہ : تم ہماری شادی پر تو آو گی نا۔

حزیرہ :کوشش کروں گی۔ وہ مسکرا کر بولی تو مصدق نے اعتراف کیا کہ وہ مسکراتے ہوئے مزید پیاری لگتی ہے۔

سحر تمہیں خود لے آئے گی۔

عبداللہ :اللہ حافظ۔ وہ مڑ گئی۔

مصدق : تم دونوں کیا باتیں کررہے تھے؟ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا تھا۔

حزیرہ :راہ چلتے بندوں سے بے تکی باتیں کرنے کا پرانا شوق ہے مجھے۔ وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی۔ اسکا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

ماموں ممانی صبح ہی اسلام آباد پہنچے تھے۔ وہ ان سے ملنے ریسٹ ہاوس آئے تھے۔ شام تک وہ ساتھ ہی رہے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد وہ ممانی کے بھائی کے گھر چلے گئے تھے۔ مصدق اسے میڈیسن دی اور اسکے پاس بیٹھ گیا۔

مصدق : تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ رات وہ ٹی وی دیکھ رہے تھے جب اس نے اپنی ادھوری بات پھر سے شروع کی۔

تم سن رہی ہو نا؟ کافی دیر جواب نہ ملنے پر وہ پھر سے بولا۔

حزیرہ :ہوں۔ وہ صوفے پر آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ اسکا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔

مصدق : تم۔ میرا مطلب ہے ہم۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا بات کیسے شروع کرے۔

تم ماں بننے والی ہو۔ جب ہاسپٹل میں تھی تم تب ڈاکٹر نے بتایا تھا۔ تمہیں اس لئے نہیں بتایا کہ نہ جانے تم کیسے ری ایکٹ کرو گی۔ میں جانتا ہوں ہمارا رشتہ۔

حزیرہ :جانتی تھی میں۔ اس نے بات کاٹ دی۔

مصدق :کیا جانتی تھی؟ اسکی سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا تھا۔

حزیرہ :میں جانتی تھی کہ میں ماں بننے والی ہوں۔

مصدق :تمہیں کیسے پتا چلا؟ اور اگر تمہیں پتا تھا تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟ تم نے تو کسی کو بھی نہیں بتایا؟ اتنی بڑی بات کیوں چھپائی؟ وہ حیران تھا۔

حزیرہ :بڑی بات یا بری بات؟ اسکے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

مصدق :کیا مطلب؟ وہ حیران ہوا تھا۔

حزیرہ : مجھ جیسیوں کے جب پاوں بھاری ہوتے ہیں نا تو اس پر خوشیاں نہیں منائی جاتیں۔ افسوس کیا جاتا ہے۔ وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

مصدق :کیسی باتیں کررہی ہو؟ اسے تکلیف پہنچی تھی اسکے الفاظ سے۔

حزیرہ :تمہیں یقین تھا کہ یہ تمہارا بچہ ہے؟ وہ اپنا پیٹ پکڑے چلائی تھی۔

مصدق :پلیز چپ کرجاو۔ وہ ایسا کچھ نہیں سننا چاہتا تھا جبکہ پچھلے کئی مہینوں سے وہ اسے اسی طرح کے طعنے دیا کرتا تھا۔

حزیرہ :جانتے ہو جب مجھے معلوم ہوا اسکا تو میں ڈر گئی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تم میری خوشیاں چھین لوگے۔ تم نے ایسا کیا بھی۔ مجھے لگا تم اسے بھی چھین لوگے۔ تم نے وہی کیا نا۔ وہ درد سے تڑپ رہی تھی

مصدق :کیا کہہ رہی ہو تم۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ وہ گڑگڑایا تھا۔

حزیرہ :تمہیں لگتا تھا نا کہ یہ تمہارا خون نہیں ہے؟

مصدق :پلیز چپ کرجاو۔ وہ اسکے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔

حزیرہ :نہیں مارنا چاہتے تھے اسے؟ اس نے صوفے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

مصدق :میں کیوں کروں گا ایسا؟ بچہ ہے یہ ہمارا۔ وہ رو رہا تھا۔ تم خود ہی سوچو کہ میں اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں کیوں ماروں گا؟

حزیرہ :اچھی دشمنی نبھائی ہے تم نے۔ آئندہ کسی کے ساتھ ایسا مت کرنا۔

وہ اسٹریچر پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ ڈاکٹرز اسے آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے۔ وہ باہر کھڑا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر نے اسے اطلاع دی تھی کہ وہ ٹھیک ہے مگر وہ بچے کو نہیں بچا سکے تھے۔ اسے کسی نے بچہ گرانے کی دوا دی تھی۔

ماموں ممانی اسپتال میں اکٹھے داخل ہوئے تھے۔

صدیقی :کیا ہوا ہے؟ کیسی ہے وہ؟ ماموں بہت پریشان نظر آرہے تھے۔

مصدق :کیوں کیا آپ نے ایسا؟ وہ ممانی کو دیکھ کر چلایا۔

مسز صدیقی :میں نے کیا کیا؟ کیا کہہ رہے ہو؟ وہ شاید اس سچویشن کے لئے تیار نہیں تھیں۔

مصدق :کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا؟ میرے بچے نے آپکا کیا بگاڑا تھا؟ اسکی سرخ آنکھوں میں شاید خون اتر آیا تھا۔ ممانی سہم گئی تھیں۔

صدیقی :تم شاید بھول رہے ہو کہ تم اپنی ممانی سے بات کررہے ہو۔ ماموں لفظ چبا چبا کر بول رہے تھے۔

مصدق :میں اس عورت سے بات کررہا ہوں جس نے مجھ سے میرا بچہ چھین لیا۔ جسکی وجہ سے میری بیوی اسپتال میں ہے۔ جس نے میری بات پکی ہونے سے لیکر آج تک ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا کی ہیں۔ جس نے مجھ سے حزیرہ کے بارے میں جھوٹ بولا۔ اسکے کردار کو میرے لئے سوالیہ نشان بنا دیا۔ مجھے اکسایا کہ میں اس سے بدلہ لوں میرے اور فیبحہ کے رشتے کے توڑنے کی سزا دوں۔ ہر روز میرا برین واش کرتی رہیں یہ۔ اس سے بھی دل نہیں بھرا تو میرے بچے کو ہی مار دیا۔ کیوں کیا آپ نے ایسا؟ وہ جنونی ہو رہا تھا۔

صدیقی :تمہیں کوئی غلط فہمی ہورہی ہے۔ یہ ایسا کیوں کریں گیں۔ ماموں ہکابکا رہ گئے تھے۔

مصدق :پوچھئے ان سے کہ انہوں نے مجھے نہیں کہا کہ میری شادی فبیحہ سے حزیرہ نے تڑوائی ہے۔ نہیں کہا انہوں نے کہ وہ راحیل کو پسند کرتی ہے۔ کہ وہ مجھے اور راحیل فبیحہ کو دھوکا دے رہا ہے۔ نہیں کہا کہ اسکے یونیورسٹی میں تعلقات کی بنا پر آپ نے اسکی یونیورسٹی چھڑوادی۔ پوچھیں انہوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ چلا رہا تھا رو رہا تھا۔

ماموں نے ایک تھپڑ ممانی کے گال پر ثبت کردیا۔

کیوں کیا تم نے کیوں؟

مسز صدیقی :اس نے مجھ سے میری امبر چھین لی اسکی خوشیاں چھین لیں۔ میں کیسے اسے خوش رہنے دیتی۔ میں نے جو کیا اپنی بچی کی خاطر کیا۔ اب اسے پتا چلے گا اولاد کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے؟

صدیقی :بکواس بند کرو اپنی۔ تمہاری بیٹی اس کی بے وفائی کی وجہ سے نہیں کسی اور کی محبت میں گھر چھوڑ کر گئی تھی۔ کسی ہندو سے شادی کرنا چاہتی تھی وہ۔ میرے منع کرنے پر وہ گھر سے بھاگ گئی۔ یہ سب اسکی شادی سے پہلے کی بات ہے۔ وہ اسکی شادی کے غم میں نہیں بلکہ میرے منع کرنے پر آنسو بہاتی تھی۔ تم نے بنا کچھ جانے خود ہی نتیجہ اخذ کر لیا اور خود ہی سزا سنا دی۔ کم سے کم مجھ سے یا پھر اسی سے پوچھ لیتیں۔ تم نے

اپنی ممتا کی تسکین کے لئے کسی اور کی ممتا کا گلا گھونٹ دیا۔ کیسی ماں ہو تم۔ ماموں تو شرم کے مارے زمین میں گڑے چلے جا رہے تھے۔

مسز صدیقی :میں نے صرف امبر کے لئے کیا یہ۔ وہ روہانسی ہوگئی تھیں۔

صدیقی :اگر اسے کچھ ہوا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ماموں چلائے تھے۔

مسز صدیقی :آپ مجھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں ماموں نے بات کاٹ دی۔

صدیقی :اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں میری نظروں کے سامنے سے چلی جاو۔ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ انکو اتنا غصہ آرہا تھا۔ وہ تو ڈانٹتے بھی دھیمی آواز میں تھے۔

حزیرہ کو اپنی زندگی ایک فلم کی طرح نظر آرہی تھی۔ راحیل بھائی اور آپی کی محبت میں وہ انکل کے پاس گئی تھی۔ ان کے جواب سے اسے بہت خوشی ملی تھی۔ مگر اسکا رشتہ مانگنے پر اسے برا لگا تھا۔ وہ پڑھنا چاہتی تھی۔ ممی سے کیا وعدہ پورا کرنا چاہتی تھی۔ انکل کی باتوں نے سب کو مطمئن کیا تھا مگر اسے نہیں۔ دل کسی انہونی کی طرف اشارہ کررہا تھا۔ پھر رات کو مصدق کے فون نے سب خدشات یقین میں بدل دیئے۔

بات پکی ہونے سے شادی تک وہ اسے دھمکی دیتا رہا کہ ڈیڈی کو سب بتا دے گا۔ شادی کے بعد تو اس نے اسکے کردار کہ دھجیاں ہی اڑا دی تھیں۔ اسی لئے اس نے راحیل بھائی کو انکے ولیمے میں آنے سے منع کر دیا۔ انکے بار بار پوچھنے پر صرف اتنا ہی کہا کہ اگر اسکی خوشی چاہتے ہیں تو نہ آئیں۔ اسکا ہر لفظ اسکے دل پر چوٹ کرتا تھا۔ وہ قرب کے لمحات میں بھی اسے راحیل بھائی کے طعنے دیا کرتا تھا۔ وہ سب کچھ خاموشی سے سہتی رہی۔ اس نے اسکی پڑھائی تک چھڑوادی۔ اس نے پہلی مرتبہ بھیا سے شکوہ کیا تو جواب اسکی توقع کے برعکس ملا۔

مصطفٰی : تم اتنی ناشکری کیوں ہو۔ کیا ہوگیا جو اس نے پڑھائی سے منع کردیا۔ اپنے گھر میں تو ہو نا۔ ہر چیز دی ہے اللہ نے اسے۔ جو ملا ہے اس پر شکر کرنا سیکھو۔ یہ تم عورتوں کی ناشکری طبیعت ہی ہوتی ہے جو مرد کو بدظن کر دیتی ہے۔ کیا ہوگیا اگر اس نے ایک دو الٹی سیدھی باتیں کہہ بھی دیں تو۔ مجازی خدا ہے تمہارا وہ۔ اسے خوش رکھنا سیکھو۔ یوں بات بے بات میرے سامنے آئندہ اپنے دکھڑے رونے مت بیٹھ جانا۔ پہلے ہی میں ڈیڈی کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اپنے گھروں کی پریشانیاں ہمارے گھر مت لایا کرو۔ اور میری بات کان کھول کر سن لو بغیر کسی بات کے چنگاری نہیں اٹھتی۔ تم نے کچھ تو کیا ہوگا جو وہ اتنی

بڑی بات کہہ رہا کے تمہیں۔ صحیح صحیح بتاو کسی سے چکر تو نہیں ہے نا تمہارا؟ وہ کیا کہہ گئے تھے یہ شاید انہیں بھی اندازہ نہیں تھا۔

حزیرہ : بھیا۔ اسے لگا آسمان اس پر آگرا ہے۔

مصطفٰی :تمہارے کسی کرتوت کی وجہ سے اس نے تمہیں چھوڑا تو اس گھر کے دروازے پر آنے کی سوچنا بھی مت۔ تمہارا جینا مرنا اب اسی گھر میں ہے۔ وہ بھابھی کی زبان بول رہے تھے۔ جسے وہ اپنی سب سے نیک بہن کہتے تھے آج اسی کو اتنا کچھ کہہ گئے تھے۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ شکوہ کیا تھا۔ جواب میں اسکی شخصیت اسکے کردار سب کو ملیامیٹ کردیا گیا تھا۔ اس سب نے اسے خاموش کرادیا تھا۔ اس نے گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ صرف ڈیڈی سے بات کیا کرتی تھی۔ فون اگر کوئی اور بھی اٹھاتا تو سلام دعا کرنا ہی مشکل ہوجاتا تھا۔ مصدق کی وجہ سے وہ آپی اور راحیل بھائی سے ملنے نہ تو جاتی نہ ہی ان کو آنے دیتی۔ فون پر بھی پانچ منٹ سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اس جیل کا عادی بنا لیا تھا۔ ایک نوکر کی طرح دن بھر کام کرتی رہتی طعنے سنتی رہتی اور رات کانٹوں پر بسر کرتی۔ اسے اسکی قربت سے خوف آتا تھا۔ وہ پل پل جیتی اور پل پل مرتی رہتی تھی۔ اسکا رویہ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔ کچھ دنوں سے اس نے طعنے دینا بند کردیئے تھے۔ شام کو آفس سے آتا تو بغیر کچھ کہے چینج کر کے کچن میں گھس جاتا۔ وہیں بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ ہر

تھوڑی دیر بعد اسے آواز دے کر کوئی کام سونپ دیتا۔ بات تو انکے درمیان ہوتی ہی نہیں تھی۔ ایک دن وہ ساتھ والی خالہ کے ساتھ بازار گئی تو اسکی طبیعت بگڑ گئی۔ وہ زبردستی اسے اسپتال لے گئیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ امید سے ہے۔ خوشی سے زیادہ اسے ڈر لگا تھا۔ اگر اس نے اسے اپنا بچہ ہی ماننے سے انکار کردیا تو۔ اگر اس نے اسے ختم کروانے کی بات کی تو۔ ایک خوشی ملی تھی وہ بھی اتنے سارے وہموں اور خدشات کے ساتھ۔ وہ خاموش رہی۔ اپنے بچے کی زندگی کے لئے وہ یہی کر سکتی تھی۔ پھر ایک دن بھابھی کا فون آیا جو اسے ڈیڈی کی موت کی اطلاع دے رہی تھیں۔ ایک ڈیڈی کا سہارا تھا اسے وہ بھی آج ختم ہوگیا تھا۔ وہ جانتی تھی اگر مصدق اسے چھوڑے گا تو ڈیڈی ہی ہیں جو اسے سہارا دیں گے بھیا نے تو پہلے ہی جھنڈی دکھا دی تھی۔ مگر سب کچھ ریت بن کر اسکی مٹھی سے پھسل گیا تھا۔

مصدق اسے اسلام آباد لے آیا تھا۔ وہ اسکا خیال رکھ رہا تھا۔ اس نے کوئی طعنہ بھی نہیں دیا تھا۔ کیوں؟ وہ سمجھ نہیں سکی۔ اس رات اس نے اخبار میں سحر کے بارے میں پڑھا تھا۔ سحر اسکی اکلوتی دوست تھی۔ اتنے دنوں میں وہ اس سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر شاید اس نے نمبر بدل لیا تھا یا باقیوں کی طرح اس نے بھی آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اس پر عفان نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ یہ بات اسکی سمجھ سے باہر تھی۔ اخبار اس

کی شادی سے دو دن پہلے کا تھا۔ ساری رات وہ اسکے بارے میں سوچتی رہی۔ اسکی حالت نازک بتائی گئی تھی۔ تو کیا وہ زندہ بھی تھی کہ نہیں؟

اگلے دن وہ اسکے گھر گئی تھی۔ اس سے پہلے اسکی ماما سے ملی تھی۔ انہوں نے اسے سب تفصیل بتائی تھی۔ وہ اسے ملنے اسکے کمرے میں آگئی۔ اسے سامنے دیکھ کر اسے سکون ملا۔

حزیرہ : کیسی ہو سحر؟ وہ اس سے ملنے کے لئے اٹھی نہیں تھی۔

اتنی کالز کیں۔ اتنے میسجز کئے۔ مگر تم نے جواب دینا گوارا ہی نہیں کیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری دوست کسی مشکل میں بھی ہوسکتی ہے۔ وہ شکوہ کر رہی تھی۔

کل ایک پرانے اخبار میں تمہارے بارے میں پڑھا۔ وہ اسکے قریب بیٹھ گئی۔

میری شادی ہوگئی ہے۔ جانتی ہو وہ مجھے کیا کہتا ہے۔ کہتا ہے میں بدکردار ہوں۔ میرا اور راحیل بھائی کا افیئر ہے۔ میرے یونیورسٹی میں لڑکوں سے تعلقات تھے۔ بھیا کو بھی یہی لگتا ہے۔ مجھے کہا ہے کہ اگر اس نے مجھے چھوڑا تو میں گھر واپس نہ آوں۔ ڈیڈی بھی مجھے چھوڑ گئے ہیں۔ پتا ہے میں پریگنینٹ ہوں۔ کسی کو نہیں بتایا میں نے۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ یہ اسکی اولاد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ میں اس قصے کو ختم کردوں۔ میرے پاس نہ بہن بھائی کی سپورٹ ہے اور نہ ہی شوہر کی۔ اگر وہ مجھے چھوڑے گا تو میں نہیں جانتی کہ میں کہاں جاوں گی۔ اتنا جانتی ہوں کہ کسی کے گھر نہیں جاسکتی۔

آنٹی نے بتایا کہ عفان نے عبداللہ کی وجہ سے تمہیں مارنے کی کوشش کی۔ جانتی ہو وہ دونوں تمہیں پسند کرتے تھے۔ دونوں کی محبت میں فرق یہ تھا عفان تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا اور عبداللہ تمہاری خوشی چاہتا تھا۔ عفان تمہارے بارے میں شروع سے ہی پوزیسو لگتا تھا اسی لئے میں تمہیں ان دونوں سے دور رہنے کا کہتی تھی۔ ہماری زندگی میں جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے سحر۔ اللہ کی مرضی کے سامنے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ سادہ سی بات ہے مگر یہ میں نے اپنی خوشیاں اپنے خواب کھو کر سیکھی ہے۔ تمہیں جو زندگی ملی ہے اسکی بے حرمتی مت کرو سحر۔ آگے بڑھو۔ میرے سامنے کچھ نہیں ہے۔ کوئی منزل نہیں ہے۔ مگر پھر بھی زندگی نہیں رکی۔ چل رہی ہے۔ میرے پاس کوئی سہارا نہیں ہے۔ تمہارے پاس ہیں جو زندگی بھر تمہارا ساتھ دیں گے۔ انکی قدر کرو۔

آنٹی نے بتایا عبداللہ آتا ہے تمہارا پوچھنے مگر تم ملتی نہیں ہو اس سے۔ محبت کرنے والے عزت کرنے والے آپ کی خواہشات آپکے احساسات کا خیال رکھنے والے خوش نصیبوں کو ہی ملتے ہیں۔ تمہیں مل رہا ہے اسے جانے مت دینا۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ کافی دیر تک وہ اسے سمجھاتی رہی۔ سحر اسکے گلے لگ کر روتی رہی۔ وہ اسے چپ کراتی رہی۔ جب وہ واپس آئی تو پرسکون تھی۔

شام کو ہی عبداللہ اسے ملا تھا۔ اسکی باتوں سے وہ اور زیادہ مطمئن ہوگئی تھی کہ سحر اب ٹھیک تھی۔

مگر ماموں ممانی کے جانے کے بعد جب مصدق نے اسے دوائی دی تو اسکی حالت بگڑنے لگی۔ ممانی نے اسے پہلے ہی جاتے ہوئے کہا تھا کہ مصدق یہ بچہ نہیں چاہتا۔ اسے لگا اس نے اس سے یہ خوشی بھی چھین لی تھی۔

ممانی اسکے پاس آئی تھیں۔ وہ اس کے پاوں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہی تھیں۔ ایک غلط فہمی نے ان سے کیا کروادیا تھا۔ وہ شرمندہ تھیں۔ بار بار اسکے ہاتھ پاوں پکڑ کر معافی مانگتی رہیں۔

حزیرہ :میں نے معاف کیا آپکو۔ اب چلی جائیں یہاں سے۔ آئندہ میرے سامنے مت آیئے گا۔ اس نے انہیں دیکھے بغیر کہا اور آنکھیں موند لیں۔

بھیا بھابھی فبیحہ راحیل سب اسپتال اس سے ملنے آئے تھے۔ بھابھی کو فکر تھی کہ کہیں وہ انکے ساتھ گھر نہ آجائے۔ بھیا نے آگے بڑھ کر اسکا ماتھا چومنا چاہا تو اس نے منہ پھیر لیا۔

مصطفیٰ :ناراض ہو مجھ سے؟ وہ اسکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

میں نے ماضی میں بہت غلطیاں کی ہیں۔ تمہاری اس حالت کا ذمہ دار میں بھی ہوں۔ میں اب تمہیں اس دوزخ میں نہیں رہنے دوں گا۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔

حزیرہ :ترس کھا رہے ہیں۔ مت کھائیں۔ مجھے جب ضرورت تھی آپکی ہمدردی کی تب آپ نہیں تھے میرے ساتھ۔ اب مجھے اسکی ضرورت نہیں ہے۔ گھر جائیں اپنے۔ مجھے نہ آپ سے کوئی شکایت ہے نہ ہی کوئی امید۔ تھوڑی دیر اسکے پاس بیٹھ کر وہ چلے گئے تھے۔

سب اس سے ملنے آئے تھے۔ مصدق نہیں آیا تھا۔ وہ سو گئی۔ جب جاگی تو مصدق اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اسکے قریب آیا اور ہاتھ جوڑ دیئے۔

میں نے یہ سب غلط فہمی کی وجہ سے کیا۔ مجھے سب کچھ سب کچھ غلط بتایا گیا تھا تمہارے بارے میں۔ تم مجھے کہتی رہیں مگر میں نے یقین نہیں کیا۔ اپنی سوچ اور حرکتوں پر میں شرمندہ ہوں۔ یہ شرمندگی اپنی اولاد کھونے کے بعد نہیں ہوئی۔ بہت پہلے ہوئی تھی۔ مگر تسلیم نہیں کر سکا۔ میں نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ تم مجھے جو بھی سزا دو مجھے منظور ہے۔ کسی اور کی باتوں میں آکر میں نے اپنا گھر اجاڑ لیا۔ تمہاری خوشیاں چھین لیں۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ میرا جرم معافی کے قابل نہیں ہے۔ میں پھر بھی تم سے معافی مانگ رہا ہوں۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردو۔ وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ اسکی ہچکیاں بندھ گئی

تھیں۔ اس نے پانی کا گلاس اسکے آگے کر دیا۔ اس نے گلاس نہیں پکڑا۔ کافی دیر تک رونے کے بعد جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو حزیرہ نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

حزیرہ :گھر نہیں لے کر جاو گے مجھے۔ اسے لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔

مصدق :تم نے تم نے مجھے معاف کردیا حزیرہ۔ وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

حزیرہ :کرنا پڑا۔ کیا کروں تمہارے طعنے سننے کی عادت ہوگئی ہے۔ وہ اسے چھیڑتے کوئے بولی۔ اس نے حزیرہ کوگلے لگا لیا۔ آج پہلی بار اسے اس سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔

مصدق :بہت محبت کرتا ہوں تم سے میں۔ کب سے یہ نہیں جانتا۔ تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک کیا تھا میں نے۔ اگر اقرار کرتا تو تم یقین نہیں کرتی۔ ممانی مجھے بھڑکاتی رہیں لیکن تمہارے ساتھ رہ کر اندازہ ہوا کہ میں غلط تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ میں اس سب کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

حزیرہ : محبت کافی نہیں ہوتی کسی کے ساتھ رہنے۔کے لئے۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے کیلئے۔ عزت بھی دینی ہوتی ہے۔ دوسروں کے احساسات کا خیال بھی رکھنا ہوتا ہے۔ ہر رشتے کی بنیاد اعتبار پر ہوتی ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا۔ ایسی محبت کا کیا فائدہ جہاں آپ اقرار تو کریں مگر اعتبار نہیں۔ مجھے تم سے خوف آتا تھا۔ آج نہیں آرہا کیونکہ آج تمہیں مجھ پر اعتبار ہے۔ وہ اسکے سینے پر سر رکھے بول رہی تھی۔

مصدق :میں وعدہ کرتا ہوں تمہارا اعتبار کبھی نہیں توڑوں گا۔ اس نے جھک کر حزیرہ کے ماتھے کو چوم لیا۔

----ختم شد------

Classic Urdu Material